© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اس مرتبہ ہم اشارات کے صفحات میں ایک ایسے مضمون کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں جو بھارتی مسلمانوں کو اپنے دینی و تہذیبی تشخص کے سلسلے میں پیش آنے والی سنگین آزمائش کا آئینہ دار ہے۔ شاید سیکولرازم کی فتنہ سامانیوں اور خصوصاً بھارت میں اس کے بدترین فرقہ پرستانہ استعمال سے اہلِ پاکستان عبرت پذیر ہو سکیں۔

(مدیر)

بھارت میں مسٹر نرسمہا راؤ کی سرکردگی میں یکساں سول کوڈ بل (UNIFORM CIVIL CODE BILL) کا ڈرافٹ تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ اسے پارلیمنٹ کے آئندہ بجٹ سیشن میں پیش کیا جائے گا۔ ہندو اکثریت کا مشورہ ہے کہ مسلمان اسے جوں کا توں تسلیم کر لیں اور اس کی مخالفت چھوڑ دیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلم خواتین ایکٹ (طلاق کے بعد حقوق کی حفاظت کا ایکٹ، مجریہ مئی ۱۹۸۶ء) کے بعد مسلمانوں کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ "غیر متعلقہ معاملات" کے بارے میں اپنی مخالفت کا اظہار کریں۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں کا یہ مشورہ غیر منطقی اور نامناسب ہے۔ مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ دستور کے آرٹیکل نمبر ۴۴ کو منسوخ کر دیا جائے یا پھر مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ مجوزہ نیا رہنما اصول (DIRECTIVE PRINCIPLE) آئین کی دفعہ ۲۵ سے متصادم ہے۔ جس میں ضمیر و مذہب کی آزادی دی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہٹ دھرم ہندوؤں کو اس کی مطلق پروا نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پارلیمنٹ نے "یکساں سول کوڈ" منظور کر لیا تو اس سے بھارت میں بسنے والے کروڑوں مسلمان متاثر ہوں گے۔ اس سے مسلمانوں کی علیحدہ شناخت ختم ہو جائے گی۔ شادی بیاہ، طلاق، نان نفقہ، بچوں کی تعلیم و تربیت اور ولایت و حضانت جیسے اہم معاملات مجوزہ بل کے ذریعے طے ہونے لگے تو مسلم معاشرے پر اس کے دُور رس اور منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ بوالعجمی دیکھیے کہ ایک مرد اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد بھی اس قانون کی رُو سے اسے عمر بھر نان و نفقہ دینے کا پابند ہو گا۔ ایک اور کلاز میں یہ بھی درج ہے کہ بیوی اپنے خاوند سے قطعِ تعلق کر سکے گی اور اس حالت میں بھی نان نفقہ لینے کی حقدار ہو گی۔ بیوی اگر محسوس کرے کہ اس کا خاوند کسی مہلک اور خطرناک بیماری میں مبتلا ہے تو وہ اُسے گھر ہی میں چھوڑ کر خیر باد کہہ سکے گی۔

اب ہم اِس بل کے بعض اہم نکات پر قدرے تفصیل سے نظر ڈالتے ہیں۔ اس بِل کی سب سے بڑی "خصوصیت" یہ ہے کہ یہ جائز اور ناجائز اولاد دونوں کو یکساں تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اس قانون کے نفاذ کے بعد دوسری شادی یا منگنی کے "جرم" کا ارتکاب کرنے والے کو سزا دی جا سکے گی۔ اس بِل میں بوڑھے اور اپاہج والدین کو "تحفظ" کی ضمانت دی گئی ہے، مگر اس کی تشریح کہیں موجود نہیں ہے۔

اکتوبر ۱۹۸۶ء میں بار کونسل آف انڈیا کے ایماء پر "یکساں سول کوڈ" کے موضوع پر ایک قومی کنونشن منعقد ہوا تھا۔ اس میں اقلیتی مذاہب کے نمائندے نہ ہونے کے برابر تھے۔ ہندوؤں کی یہ ایک سوچی سمجھی چال تھی۔ اس سلسلے میں آپ نرجا چودھری کا وہ مضمون پڑھ سکتے ہیں، جو اخبار سٹیٹسمین میں ۱۰ نومبر ۱۹۸۶ء کو چھپا تھا۔

یہ بات ہندو بھی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے شادی بیاہ، نکاح، طلاق، وراثت اور نابالغوں کی سرپرستی کے اپنے الگ قوانین پہلے سے موجود ہیں اور ان پر سینکڑوں برس سے عمل ہو رہا ہے۔ ان قوانین کی بنیاد قرآن و سنّت پر ہے۔ اگر کوئی مسلمان ان شرعی قوانین کو نظرانداز کر کے کسی دوسرے قانون کو اپناتا ہے تو وہ اُسی وقت دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ "یکساں سول کوڈ" اگرچہ "تجرباتی" اور "رضاکارانہ" بنیاد پر لاگو ہو رہا ہے، لیکن درحقیقت یہ اسلام کے خلاف بہت بڑی سازش ہے۔ ہندو اس کے ذریعے اسلام کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ کر تمام اسلامیانِ ہند کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے دین بنا دینا چاہتے ہیں۔ ماضی قریب میں اس کی تمہید باندھی جا چکی ہے۔ اپریل ۱۹۸۵ء میں مشہور شاہ بانو کیس کے فیصلے کے خلاف مسلمانوں نے متحدہ موقف پیش کیا تو ہندو اکثریت بوکھلا اٹھی۔ ہندوؤں کی مختلف سیاسی، سماجی اور مذہبی تنظیموں نے ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ ان میں آر ایس ایس، بی جے پی، جنتا، لوک دل، ڈی ایم کے، تیلگو دیشم، کمیونسٹ مارکسٹ اور ان کی حواری تنظیمیں آگے آگے تھیں۔ انسانیت کے یہ "ہمدرد" مسلم خواتین کی "حالتِ زار" پر تو کلبلا رہے تھے لیکن مراد آباد اور احمد آباد کی بیواؤں اور ان یتیم بچوں کے لیے اُن کی آنکھوں میں کوئی آنسو نہ تھے جن کے سہاگ اور سہارے ہندو بلوائیوں نے لُوٹ لیے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارت میں فسادات کے ساتھ ساتھ پارلیمانی اور نام نہاد عدالتی فیصلوں کے ذریعے مسلمانوں کو نابود کرنے کی ناپاک جسارت کی جا رہی ہے ہندوؤں کا جنون اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ سپریم کورٹ بار کونسل کے کنونشن میں اس کے چیئرمین وی سی مشرا نے تقریر کرتے ہوئے علی الاعلان دھمکی دی کہ "یکساں سول کوڈ" کے نفاذ کے لیے "خانہ جنگی" سے بھی گریز نہیں کیا جائے گا۔ ہندو پروہت بھی مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے میں آگے آگے ہیں۔ ۷ رنومبر کو مدراس میں سری ابھینوا ودیا اور شنکر آچاریہ سری نگری نے صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ متحدہ بھارت میں دو مختلف قانون نہیں ہونے چاہئیں۔ ان کے بقول "ملک میں ایک ہی قانون لاگو ہونا چاہیے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ مذہبی حد بندیاں مٹ جائیں گی۔ ہندو، مُسلم اور عیسائی کی پہچان نہیں رہے گی۔ ہر فرد اول و آخر بھارتی ہوگا"۔ غضب یہ ہے کہ ہندو سوچ سے عدالتِ عالیہ بھی مبرا نہیں۔ شاہ بانو کیس میں مسٹر وائی وی چندراشاد کی یہ رائے ریکارڈ پر موجود ہے کہ "مقدمے کے دوران جج صاحبان" قومی سالمیت "پر سب سے زیادہ زور دیتے رہے"۔ اس میں شک نہیں کہ بھارت میں بسنے والے مسلمان بھی قومی سالمیت کے قائل ہیں، لیکن ہندو اس کی آڑ میں اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتے ہیں تو یہ مسلمانوں کے ساتھ صریح بے انصافی ہوگی۔

دائیں یا بائیں بازو سے تعلق رکھنے والی ہندو تنظیمیں "قومی سالمیت" کی دہائی دے کر مسلمانوں کے خلاف زہر اُگلتی رہتی ہیں۔ وہ ڈھٹائی سے جو کچھ کہنا چاہتی ہیں، کہتی پھریں۔ مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں "بھارتی مسلمان" کے طور پر اپنی شناخت و تشخص برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ ہندو اپنی شناخت چھوڑنے پر تیار نہیں تو مسلمان کو ایسا کرنے پر مجبور کیوں کیا جاتا ہے؟ کیا یہ توہین آمیز اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظالمانہ رویّہ نہیں ہے۔[1]

ہندو اپنے بھارتی مسلمانوں کو گمراہ کن دلائل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "دُنیا کے اسلامی ممالک "مسلم پرسنل لاء" تبدیل کر چکے ہیں۔ اس لیے انہیں بھی اس قانون پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے۔ معلوم نہیں کہ وہ کون سا مُلک ہے جس کا یہ حوالہ دے کر اتنا بڑا جھوٹ بولتے ہیں۔ ان اسلامی مُلکوں نے اپنے یہودیوں، عیسائیوں، بُدھوں، ہندوؤں، بہائیوں اور قادیانیوں کو اپنے پرسنل لاز تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا، چہ جائیکہ وہ مُسلم پرسنل لاء میں تحریف کرتے۔ ہم ترکی اور البانیہ کی وکالت نہیں کر سکتے۔ سب جانتے ہیں کہ مصطفےٰ کمال اتاترک لادینی نظامِ حیات کا پیروکار تھا۔[1] اقتدار میں آنے کے فوراً بعد اُس نے مُلک میں رائج تمام اسلامی قوانین منسوخ کر دیئے۔ اتاترک کے حکم پر "سوئس سول کوڈ" کا نفاذ عمل میں آیا جو سراسر لادینیت پر مبنی تھا۔ اِس سلسلے میں ترکی کی مثال قطعی بے محل ہے۔ اسلام کے بارے میں اتاترک کا اپنا رویّہ انتہائی جارحانہ تھا۔ اس نے اسلامی اقدار کو ملیا میٹ کرنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہ چھوڑی، لیکن آج وہی ترکی ہے جہاں اب اسلامی نظامِ حیات اپنانے کی تحریک دوبارہ شدّ و مدّ سے چل نکلی ہے۔ جہاں تک البانیہ کا تعلق ہے تو وہ ایک ملحد اشتراکی مُلک ہے۔ اس کا اسلام یا کسی اور مذہب سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ہمارے پڑوسی ملک پاکستان میں کئی انقلاب آئے، سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں، لیکن پرسنل لاء ہنوز کا توں رہا۔ ۱۹۶۱ء سے البتہ چند انتظامی اصلاحات نافذ ہیں۔ اِن میں شادی کی رجسٹریشن، دوسری شادی کے لیے مصالحتی کونسل کی اجازت، طلاق سے پہلے مصالحتی کونسل سے رجوع اور یتیم پوتے کی وراثت کا تعین سرِفہرست ہیں۔ دراصل اس بل کا مقصد مرد کے بے جا اختیارات کو کم کرنے کے

---

[1] یہ پس منظر بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ جدید ترکی کا ظہور یہودیوں کی سازشوں کے تاسیسی سائے میں ہوا تھا اور پھر خفیہ یہودیت نے دونمہ تحریک کی شکل اختیار کر کے مسلم معاشرے اور حکومت اور انقلابی تنظیم میں نفوذ حاصل کر لیا۔ اور مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے انہیں جارحانہ لادینیت کا شکار بنایا۔ لہٰذا ترکی کی نظیر ایک معتدل صحت مندانہ نظیر نہیں ہے۔ (مدیر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوا کچھ نہیں۔[1]

مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک تمام مسلم ممالک اسلامی قوانین پر عمل کرتے ہیں۔ یہ بات باعثِ فخر ہے کہ ان ملکوں نے اقلیت کے پرسنل لاء کو کبھی نہیں چھیڑا۔

بھارت میں "قانونِ وراثت ۱۹۲۵ء" اور "اسپیشل میرج ایکٹ ۱۹۵۴ء" پہلے ہی سے نافذ ہیں۔ ظاہر ہے کہ یکساں سول کوڈ کی منظوری کے بعد انہیں نئے جاری ہونے والے ضابطوں میں مدغم کر دیا جائے گا۔ مذکورہ قانونِ وراثت کے تحت جائیداد کی وصیت پر کوئی حدود و قیود نہیں۔ اس کی دفعہ نمبر ۵۹ کے تحت مکمل جائیداد وصیت کے ذریعے کہیں بھی دی جا سکتی ہے۔ وصیت نہ ہونے کی صورت میں بیوہ ایک تہائی اور بچے دو تہائی جائیداد کے وارث بنتے ہیں۔ اولاد نہ ہونے کی صورت میں متوفی کی بیوہ اور رشتہ دار جائیداد کے مساوی وارث شمار ہوتے ہیں۔ اگر بیوی فوت ہو چکی ہے تو پھر متوفی کی جائیداد اس کے بچوں میں تقسیم ہوگی۔ اسی طرح خاوند متوفیہ بیوی کی جائیداد مساوی بنیاد پر (یعنی بیوہ کے حق کے برابر) لے سکے گا۔ صاحبِ اولاد نہ ہونے کی صورت میں وہ اپنی بیوہ کی پوری جائیداد کا مالک ہوگا۔

اِدھر اسپیشل میرج ایکٹ مسلمانوں کے تشخص پر ایک زبردست وار ہے۔ اس ایکٹ کے تحت پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کی سزا سات سال قید بامشقت مقرر کی گئی ہے۔ چچا اور ماموں کے گھرانے میں شادی منع ہے۔ طلاق عدالت کے حکم کے بغیر واقع نہیں ہو سکتی۔ عجیب بات یہ ہے کہ شادی کے بعد تین سال تک طلاق کی درخواست نہیں دی جا سکتی۔ اگر اس کے بعد عدالتی فیصلے سے طلاق ہو جائے تو طلاق دہندہ کو ایک سال گزارنے کے بعد نئی شادی کی اجازت ملتی ہے۔ سابق خاوند کے لیے لازم ہے کہ وہ مطلقہ بیوی کو نان نفقہ فراہم کرتا رہے تاوقتیکہ وہ (مطلقہ) دوسری شادی کر لے یا انتقال کر جائے۔

یہ لادینی قانون اور ضابطے اب یکجا کر کے "یکساں سول کوڈ" کا حصہ بنا دیے گئے ہیں۔ ہندو اربابِ اختیار کو مسلمانوں کے احساسات و جذبات کی مطلق پروا نہیں ہے۔ وہ یکساں سول کوڈ جیسے کالے قانون کے نفاذ پر تلے بیٹھے ہیں۔ مسلمانوں کا اپنا پرسنل لاء پہلے سے موجود ہے۔ انہیں اس سلسلے میں کسی نئے ضابطے کی ضرورت نہیں۔ مسلم پرسنل لاء

[1] اِس سلسلے میں فاضل مضمون نگار کا تجزیہ درست نہیں اور ان عائلی قوانین کو تمام مسالک کے علماء متفقہ طور پر مسترد کر چکے ہیں۔ (مترجم)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی رُو سے ایک تہائی جائیداد تک کی وصیت حسبِ مرضی کی جاسکتی ہے۔ باپ کی جائیداد سے بیٹی کو بیٹے کے مقابلے میں آدھا حصّہ ملتا ہے۔ صاحبِ اولاد ماں کو اس کے خاوند کی جائیداد کا آٹھواں اور بے اولاد ماں کو ایک چوتھائی ملتا ہے۔ بیوی فوت ہو جائے تو بے اولاد خاوند کو متوفیہ کی جائیداد کا ایک چوتھائی اور با اولاد باپ کو اس کا آدھا ملے گا۔ جائیداد کی تقسیم میں اسلام نے والدین کا حصّہ بھی رکھا ہے۔

اسلامی قانون کے رُو سے سابق خاوند اپنی مطلقہ بیوی کے نان نفقہ (لوازمات) کا قطعی ذمہ دار نہیں ہے۔ اسی طرح ایک مُسلم معاشرے میں ناجائز بچوں کو جائز قرار دینے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا — ہندوؤں کا سیکولر ذہن اپنے معاشرے میں حلال و حرام کی یہ تمیز مٹانا چاہتا ہے، تو وہ اُن کا اپنا معاملہ ہے۔ مسلمان اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ اسلام نے چچا اور ماموں کی اولاد سے شادی کی اجازت دی ہے۔ مسلمان پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کرسکتا ہے۔ اسلامی قانون کی رُو سے خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اُسے کسی عدالت کا چکر کاٹنا ضروری نہیں ہے۔ یہ قوانین اگر ہندوؤں کے بنائے ہوئے نام نہاد ضابطوں سے متصادم ہوتے ہیں تو مسلمان اپنی اقدار کے تحفظ کے لیے ہر طرح کی صعوبت جھیلنے کو تیار ہیں۔ کیا شنکر اچاریہ سری نگری اور مسٹر جسٹس وائی وی چندر اشاد مسلمانوں کے احساسات و جذبات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے!!

یکساں سول کوڈ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بہت بڑی سازش ہے۔ اگر سیکولرازم کا مطلب مذہبی رواداری ہے تو پھر اُسے اسلام دشمنی کا جامہ نہیں پہننا چاہیے۔ مسلمانوں کے خلاف ایسے حربے کریملن کو زیب دیتے ہیں۔ بھارتی پارلیمنٹ کو نہیں۔ ماسکو اور نئی دلی کی پالیسی میں کچھ تو فرق ہونا چاہیے۔[۱]

(صاحبِ مضمون: اوصاف سعید واصفی، بحوالہ ریڈی اَنس ۱۰ر جنوری ۱۹۸۶ء۔ اُردو ترجمہ نگار فیض اللہ شعبانی، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ - لاہور)

۱؎ آزاد مُسلم ریاستوں، خصوصاً پاکستان والوں کو کچھ شرم و احتیاط کرنی چاہیے کہ انھوں نے قانونِ شریعت کے ایک ذرّے کو بھی اپنی جگہ سے ترقی یا اجتہاد یا ضرورت کے نام پر ہلایا تو یہ چیز اسلام دشمن ریاستوں کو مسلمانوں کے پرسنل لاء کے بخیے ادھیڑنے کا اسلامی جواز فراہم کرے گی۔ خدارا دشمنانِ اسلام کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دلیلیں اور نظیریں فراہم نہ کیجیے۔ سعدی کا ایک مشہور شعر یہاں ایک اور انداز سے منطبق ہوتا ہے کہ ؎ بہ نیم بیضہ چو سلطان ستم روا دارد — زنند لشکریانش ہزار مرغ بہ سیخ۔ مسلمانانِ کرام! آپ کی وجہ سے ہزاروں مسلمان نہ سیخوں پر بھون ڈالے جائیں گے (مدیر)

© rasailojaraid.com